ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2956

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

WhatsApp Orders: +92 324 5836626

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: تاریخ فقہ (2956) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ: 5 تا 9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

یہ مشق یونٹ نمبر 5 تا 9 پر مشتمل ہے اور اس کا محور فقہ کی بعد کی تاریخ ہے: امام سفیان ثوری کی زندگی و فقہ سے آغاز ہوتا ہے، پھر برصغیر کی فقہی تاریخ آتی ہے جس میں حکمرانوں کی سرپرستی، مدارس کی تدریس، علماء سے رہنمائی، مسلم ریاستیں، فقہی کتب کے تراجم، عصری اجتہاد اور بیسویں صدی کے دو بڑے فقہاء کی خدمات شامل ہیں، اور

اختتام پاکستان میں شریعت بنچوں، حدود قوانین، بلاسود رہائشی قرضوں اور وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی بیان پر ہوتا ہے۔ پانچویں سوال خالص آئینی و تاریخی انداز میں لکھا گیا ہے؛ کسی قانون یا شرعی حکم کا کسی فرد پر اطلاق عدالتوں اور مستند اہل علم کا دائرہ کار ہے۔ ذیل کی شکل میں اس مشق کے اہم تاریخی سنگ میل دکھائے گئے ہیں۔

Figure 1: Fiqh in the Subcontinent and Pakistan — key milestones



شکل 1: برصغیر و پاکستان میں فقہی تاریخ کے اہم سنگ میل۔

سوال نمبر 1: امام سفیان ثوریؒ — حالاتِ زندگی اور ان کی فقہ (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ امام سفیان ثوری کے حالات زندگی اور ان کی فقہ پر مضمون تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

امام سفیان ثوری (97ھ تا 161ھ) دوسری صدی ہجری کے ان عظیم ائمہ میں سے ہیں جنہیں حدیث میں امیر المومنین فی الحدیث اور فقہ میں ایک آزاد مکتب کے بانی کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا تعلق کوفہ سے تھا جو اس دور میں علم کا سب سے بڑا مرکز تھا، اور انہوں نے اسی علمی ماحول میں آنکھ کھولی جہاں ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان کی فقہی روایت زندہ تھی۔ امام ثوری کی شخصیت کی انفرادیت یہ ہے کہ ان میں محدث کی دقت، فقیہ کی بصیرت اور زاہد کی دنیا سے بے رغبتی تینوں جمع تھیں، اور ان کی زندگی حکومت وقت سے فاصلہ رکھ کر علم کی خدمت کرنے کی روشن مثال ہے۔ ان کی فقہ ایک زمانے میں عراق و خراسان کے بڑے علاقوں میں رائج رہی اور بعد میں اگرچہ ان کا مکتب بطور مستقل مکتب باقی نہ رہا، مگر ان کے اقوال و اصول فقہ کی بڑی کتابوں میں آج بھی محفوظ ہیں۔ اس مضمون میں پہلے ان کے حالات زندگی، ولادت، تعلیم، اساتذہ و تلامذہ اور وفات کا بیان ہو گا، پھر ان کی فقہی خدمات، ان کے اصول اور ان کے مکتب کے انجام پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ولادت، خاندان اور ابتدائی تعلیم

امام سفیان بن سعید ثوری کی ولادت 97 ہجری میں کوفہ میں ہوئی۔ ان کے والد سعید بن مسروق ثوری بھی حدیث کے راوی اور اہل علم میں سے تھے، اس لیے علم کی فضا انہیں گھر ہی سے ملی۔ قبیلے کے اعتبار سے ان کا تعلق ثور سے تھا، اسی نسبت سے ثوری کہلائے۔ ابتدائی تعلیم کوفہ ہی میں حاصل کی اور کم عمری ہی میں حافظے کی غیر معمولی قوت کی وجہ سے مشہور ہو گئے۔ کوفہ اس وقت حدیث و فقہ کا گہوارہ تھا اور امام ثوری نے وہاں کے جلیل القدر محدثین و فقہاء سے استفادہ کیا۔ نوجوانی ہی میں وہ طلب حدیث کے لیے سفر پر نکلے اور حجاز، یمن، شام اور بصرہ سمیت کئی علمی مراکز کا سفر کیا۔ ان سفروں نے ان کے علمی دائرے کو روایت کے ساتھ ساتھ مختلف علاقوں کی فقہی روایات سے بھی مالا مال کر دیا۔ یہی سفر و سماع ان کی شخصیت کی علمی وسعت کی بنیاد بنا، جس کی وجہ سے محدثین نے ان کی روایات کو بڑے پیمانے پر قبول کیا۔

اساتذہ، تلامذہ اور علمی مقام

امام ثوری کے اساتذہ کی فہرست بہت طویل ہے، جن میں ان کے والد، ابو اسحاق سبیعی جیسے کوفہ کے کبار اور دیگر علاقوں کے ائمہ شامل ہیں۔ انہوں نے تقریباً ہر بڑے علمی مرکز کے شیوخ سے روایت کی اور حفظ و اتقان میں اپنے دور کے نمایاں ترین ائمہ میں شمار ہوئے۔ ان کے تلامذہ میں امام عبداللہ بن مبارک، امام وکیع بن جراح، امام عبدالرحمن بن مہدی جیسے بڑے ائمہ شامل ہیں، جنہوں نے ان کے علم کو اگلی نسل تک پہنچایا۔ اہل علم کی ان کے بارے میں آراء ان کے مقام کو واضح کرتی ہیں: انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا گیا، جو حدیث میں قیادت کا سب سے بڑا لقب سمجھا جاتا ہے، اور ان کی فقہی بصیرت کا اعتراف ان کے ہم عصر ائمہ نے بھی کیا۔ ان کا علمی مقام صرف روایت تک محدود نہیں تھا؛ مسائل میں ان کی رائے مستقل وزن رکھتی تھی اور فقہ کی کتابوں میں امام ابو حنیفہ و امام مالک کے ساتھ ساتھ ان کے اقوال بھی دلائل کے طور پر نقل ہوتے رہے۔

زہد، حکومت سے فاصلہ اور آخری ایام

امام ثوری کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ان کا زہد اور اہل اقتدار سے اجتناب ہے۔ عباسی دور میں انہیں قضا کی پیش کش کی گئی اور دباؤ بھی ڈالا گیا، مگر انہوں نے عہدہ قبول کرنے سے انکار کیا اور اس سلسلے میں طویل عرصہ روپوشی کی زندگی گزاری۔ وہ کوفہ سے نکل کر مختلف علاقوں میں رہے اور آخر میں بصرہ میں قیام پذیر ہوئے، جہاں 161 ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے اس طرزِ عمل کے پیچھے ان کا یہ اصول تھا کہ عالم کو حق گوئی کی آزادی کے لیے دنیاوی مناصب سے آزاد رہنا چاہیے۔ تاہم اس کے ساتھ انہوں نے کبھی فتنہ و خروج کی حمایت نہیں کی؛ ان کا اختلاف ذاتی ورع اور علمی آزادی تک محدود رہا۔ ان کی دعائیں، نصیحتیں اور اہل علم کو لکھے گئے خطوط زہد و اخلاص کے ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کا جنازہ اور وفات بصرہ ہی میں ہوئی اور ان کی علمی میراث ان کے تلامذہ و تصانیف کے ذریعے آگے بڑھی۔

امام ثوری کی فقہ: منہج و اصول

فقہ میں امام ثوری کا منہج کتاب و سنت کی مضبوط پابندی، آثارِ صحابہ و تابعین کی رعایت اور قیاس کے محدود و محتاط استعمال پر قائم تھا۔ وہ کوفہ کی رائے کی روایت سے بھی واقف تھے اور حجاز کی حدیثی روایت سے بھی، اس لیے ان کی فقہ میں دونوں روایتوں کا توازن نظر آتا ہے۔ وہ فرائض و عبادات کے مسائل میں نصوص کی ظاہری تطبیق کو اہمیت دیتے اور اختلاف کی صورت میں اس دلیل کو ترجیح دیتے جو اثر سے قریب تر ہوتی۔ ان کے فقہی اقوال کی بڑی تعداد امام ترمذی کی جامع اور بعد کی فقہی کتابوں میں موازنہ کے باب میں محفوظ ہے، جہاں بہت سے مسائل میں ان کی رائے الگ سے ذکر کی جاتی ہے۔ ان کے کچھ مخصوص مسائل میں ان کی انفرادیت بھی مشہور ہے جو اصول فقہ کی کتابوں میں مثال کے طور پر پڑھائی جاتی ہے۔ مجتہد مطلق کے درجے کے فقیہ ہونے کی حیثیت سے ان کے پیروکاروں نے ایک عرصہ ان کے مذہب پر عمل کیا، خصوصاً عراق و خراسان کے بعض علاقوں میں، اور ان کے فتاویٰ کی کتابیں بھی مرتب ہوئیں، اگرچہ ان میں سے اکثر وقت کے ساتھ محفوظ نہ رہ سکیں۔

مکتب ثوری کا انجام اور تاریخی اہمیت

تاریخ فقہ کا ایک اہم سوال یہ ہے کہ امام ثوری کا مکتب دیگر بڑے مکاتب کی طرح آج تک کیوں باقی نہ رہا۔ اس کی وجوہات پر علماء نے بحث کی ہے: ان کی فقہ کی منظم تدوین و ترتیب ان کی زندگی کے روپوشی والے حالات کی وجہ سے [illegible] پر نہ ہو سکی؛ ان کے بڑے تلامذہ نے حدیث کی خدمت کو زیادہ وقت دیا اور مکتب کی اشاعت کا منظم نظام نہ بن سکا؛ اور بعد میں حنفی و شافعی مکاتب کو ریاستی و عدالتی سرپرستی حاصل ہو گئی جس سے ان کی اشاعت بڑھ گئی۔ تاہم مکتب کے مٹ جانے کا مطلب ان کی فقہ کا ختم ہونا نہیں ہے: ان کے اقوال فقہ مقارن کی کتابوں میں آج بھی زندہ ہیں اور محققین ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت سے تاریخ فقہ کا یہ سبق ملتا ہے کہ علمی عظمت کے لیے مکتب کا بقا ضروری نہیں؛ سچائی، اخلاص اور حدیث و فقہ کی خدمت ہی عالم کی اصل میراث ہوتی ہے۔ امام ثوری اس اعتبار سے دوسری صدی ہجری کے ان ستاروں میں سے ہیں جن کی روشنی آج بھی فقہ و حدیث کی کتابوں میں جگمگاتی ہے۔

جدول 1: امام سفیان ثوری — سوانحی خاکہ

تفصیل	پہلو
سفیان بن سعید ثوری، کوفی	نام و نسبت
97 ہجری، کوفہ	ولادت
161 ہجری، بصرہ	وفات
امیر المومنین فی الحدیث؛ مجتہد و صاحب مکتب	علمی مقام
زہد، قضا کا عہدہ قبول کرنے سے انکار، روپوشی	طرز زندگی
اقوال و اصول فقہ مقارن کی کتابوں میں محفوظ	میراث

اختتام

حاصل مضمون یہ ہے کہ امام سفیان ثوری علم و عمل کے جامع امام تھے: حدیث میں ان کا درجہ قیادت کا تھا، فقہ میں وہ مستقل مکتب کے بانی تھے اور سیرت میں زہد و حق گوئی کی مثال تھے۔ ان کی فقہ نے روایت و رائے کے توازن کی نمائندگی کی اور ان کی زندگی نے یہ اصول دیا کہ عالم کی عزت عہدوں سے نہیں، علم و اخلاص سے ہوتی ہے۔ ان کا مطالعہ تاریخ فقہ کے طالب علم کو دوسری صدی کے علمی ماحول کو سمجھنے میں بنیادی مدد دیتا ہے۔

سوال نمبر2: برصغیر میں فقہ اسلامی کی سرپرستی، تدریس فقہ اور علماء سے رہنمائی (20 نمبر)

سوال نمبر2۔ برصغیر میں حکمرانوں کی جانب سے فقہ اسلامی کی سرپرستی، مدارس میں فقہ کی تدریس اور مسائل میں علماء سے رہنمائی پر نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

برصغیر میں اسلام کی آمد کے ساتھ ہی فقہ اسلامی یہاں کے عدالتی و تعلیمی نظام کا حصہ بن گئی۔ سندھ میں عرب دور سے لے کر دہلی سلطنت اور مغلیہ عہد تک حکمرانوں نے فقہ کی سرپرستی کو یقینی بنایا: قاضی مقرر ہوتے، مفتی فتویٰ دیتے، مدارس میں فقہ پڑھائی جاتی اور حکمران بڑے مسائل میں علماء سے رہنمائی لیتے تھے۔ چونکہ برصغیر کی اکثریت مسلمان آبادی کا فقہی رجحان حنفی تھا، اس لیے یہاں ریاستی و تعلیمی سطح پر فقہ حنفی کو مرکزیت حاصل رہی، تاہم دیگر مکاتب کے علماء بھی موجود رہے اور علمی آزادی برقرار رہی۔ برطانوی دور میں یہ نظام بتدریج کمزور ہوا، مگر مدارس و علماء نے فقہ کی روایت کو زندہ رکھا۔ اس نوٹ میں تین پہلوؤں کو ترتیب سے بیان کیا جائے گا: حکمرانوں کی سرپرستی، مدارس میں فقہ کی تدریس کا نظام، اور شرعی مسائل میں علماء سے رہنمائی لینے کی روایت۔ یہ تینوں پہلو مل کر بتاتے ہیں کہ برصغیر میں فقہ محض کتابی علم نہ تھی بلکہ ریاست، تعلیم اور معاشرہ تینوں سے جڑی ہوئی عملی روایت تھی۔

حکمرانوں کی جانب سے فقہ اسلامی کی سرپرستی

برصغیر کے مسلم حکمرانوں نے فقہ کی سرپرستی کئی صورتوں میں کی۔ سب سے بڑی صورت عدل و قضا کا نظام تھا: ہر بڑے شہر میں قاضی القضات اور مقامی قاضی مقرر ہوتے، جن کے فیصلے فقہ کی روشنی میں ہوتے اور ان کے ساتھ مفتی بطور شرعی مشیر فتویٰ دیتے۔ دوسری صورت علمی اداروں کی مالی اعانت تھی: حکمرانوں و امراء نے مدارس، خانقاہوں اور کتب خانوں کے لیے اوقاف قائم کیے اور علماء و طلبہ کے وظائف مقرر کیے، جس سے فقہ کی تدریس و تصنیف کو تسلسل ملا۔ تیسری صورت فقہی کتابوں کی ترتیب و ترجمے کی حوصلہ افزائی تھی، جس کی سب سے عظیم مثال مغلیہ دور میں فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے، جو حکمران کی سرپرستی میں فقہاء کی ایک بڑی مجلس نے مرتب کی اور جو برصغیر میں فقہ حنفی کا سب سے بڑا قانونی مرجع بنی۔ چوتھی صورت علماء کی تکریم و مشاورت تھی: درباروں میں علماء کو مقام ملتا، خطبہ و منبر سے سماجی رہنمائی ہوتی اور دینی امور میں حکمران اپنے آپ کو شریعت کے تابع ظاہر کرتے۔ یہ سرپرستی بعض ادوار میں کمزور بھی ہوئی اور سیاسی اختلافات بھی پیدا ہوئے، مگر مجموعی طور پر کئی صدیوں تک فقہ کو ریاستی نظام میں مرکزی مقام حاصل رہا۔

مدارس میں فقہ کی تدریس

برصغیر کے مدارس میں فقہ نصاب کا مرکزی مضمون تھا۔ ابتدائی سطح پر فقہ کی مختصر کتابیں پڑھائی جاتیں اور اعلیٰ سطح پر مفصل کتابیں، جن میں ہدایہ کو خاص مقام حاصل رہا۔ ہدایہ صدیوں تک برصغیر کے مدارس کی سب سے مقبول فقہی کتاب رہی اور اس پر یہاں بے شمار شروح و حواشی لکھے گئے، بلکہ عدالتی حلقوں میں بھی اس کا حوالہ معتبر سمجھا جاتا رہا۔ ملا نظام الدین کے مرتب کردہ نصاب، درس نظامی، کے بعد فقہ کی تدریس کو ایک منظم ترتیب ملی جس میں منطق و اصول کے ساتھ فقہ و اصول فقہ کی کتابیں درجہ وار پڑھائی جانے لگیں اور یہ نصاب آج تک مدارس میں کسی نہ کسی صورت جاری ہے۔ تدریس کا طریقہ صرف پڑھنا نہیں تھا: متن کی قراءت، استاذ کی شرح، طلبہ کا بحث و مناظرہ اور حاشیہ نویسی، یہ سب مل کر فقہی ذہن تیار کرتے تھے۔ بڑے مدارس کے ساتھ دار الافتاء قائم ہوتے جہاں طلبہ عملی فتویٰ کی تربیت حاصل کرتے۔ اس تدریسی نظام نے برصغیر کو ایسے فقہاء دیے جنہوں نے آگے چل کر تصنیف، افتا اور عدالتی رہنمائی کی خدمات انجام دیں۔

مسائل میں علماء سے رہنمائی لینے کی روایت

برصغیر میں شرعی مسائل میں علماء سے رہنمائی لینا صرف حکمرانوں کا معمول نہیں تھا بلکہ پورے معاشرے کی روایت تھی۔ عام مسلمان عبادات، نکاح و طلاق، وراثت، تجارت اور نزاعات میں مقامی علماء و مفتیان سے رجوع کرتے اور ان کے فتاویٰ کو اپنے لیے شرعی رہنمائی سمجھتے۔ حکمرانوں کی سطح پر رہنمائی کی صورتیں یہ تھیں: نئے قوانین و انتظامات سے پہلے علماء سے مشورہ، عدالتی تقرریوں میں اہل علم کی شمولیت اور اجتماعی مسائل پر فتاویٰ و مجالس کا انعقاد۔ کئی حکمرانوں نے اپنے دور میں اجتماعی و دینی امور پر علماء کی آراء طلب کیں اور ان پر عمل بھی کیا۔ یہ روایت برطانوی دور میں بھی سماجی سطح پر قائم رہی، جہاں مسلمانوں نے اپنے پرسنل معاملات میں دارالافتاء اور علماء ہی کو مرجع بنایا اور فقہ کی بڑی بڑی کتابیں اسی دور میں مرتب ہوئیں۔ یوں فقہ کی حفاظت میں ریاست سے زیادہ معاشرے اور علماء کے باہمی ربط نے کردار ادا کیا۔ اس روایت کی علمی اہمیت یہ ہے کہ اس نے فقہ کو عوامی زندگی سے جوڑے رکھا اور ہر دور میں نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہادی سلسلہ جاری رکھا۔ اس بحث کو خالص تاریخی و تعلیمی حیثیت میں سمجھنا چاہیے؛ کسی انفرادی مسئلے میں رہنمائی کا مستند ذریعہ آج بھی اہل علم علماء اور دائرہ اختیار رکھنے والی عدالتیں ہیں۔

سرپرستی کے سماجی و علمی اثرات

اس سہ طرفہ نظام کے اثرات برصغیر کے مسلمان معاشرے پر گہرے پڑے۔ عدالتی نظام میں فقہ کی موجودگی سے نکاح، طلاق، وراثت اور وقف جیسے معاملات میں عوام کو اپنی دینی اقدار کے مطابق فیصلے ملتے رہے اور معاشرتی تنازعات کا حل ایک معروف شرعی ڈھانچے کے اندر ہوتا رہا۔ علمی سطح پر سرپرستی نے تصنیف و تالیف کی وہ فضا بنائی جس میں ہدایہ کی شروح، فتاویٰ کے مجموعے اور اصول فقہ کی کتابیں برصغیر میں بھی لکھی گئیں اور یہ خطہ محض علم کا صارف نہ رہا بلکہ اس کا خالق بھی بن گیا۔ تیسری طرف اوقاف کے نظام نے علم کی اشاعت کو کسی ایک حکمران کی زندگی سے آزاد کر دیا، کیونکہ وقف شدہ مدارس و کتب خانے حکمرانوں کے بدلنے کے بعد بھی چلتے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب برطانوی دور میں ریاستی سرپرستی ختم ہوئی تو بھی مدارس و دارالافتاء کے اسی سماجی ڈھانچے نے فقہ کو زندہ رکھا۔ اس تاریخی تجزیے سے یہ اصول واضح ہوتا ہے کہ کسی علمی

روایت کی بقا کا انحصار محض سیاسی طاقت پر نہیں ہوتا، اس کی جڑیں تعلیم اور معاشرے میں جتنی گہری ہوں گی وہ اتنی ہی پائیدار ہو گی، اور برصغیر کی فقہی روایت اس کی کامیاب مثال ہے۔

جدول 1: برصغیر میں فقہ کی سرپرستی و تدریس کے ادارے

فقہی اثر	کردار	ادارہ / ذریعہ
فقہ کا عملی نفاذ	قاضی و مفتی کی تقرری، فقہی فیصلے	نظام قضا
تدریس و تصنیف کا تسلسل	مدارس علماء کی مالی اعانت	اوقاف و وظائف
فقہاء کی تیاری	ہدایہ و اصول فقہ کی درجہ وار تدریس	مدارس و درس نظامی
فقہ و معاشرے کا رابطہ	عوامی مسائل میں فتویٰ و رہنمائی	دار الافتاء
قانونی مرجعیت کا قیام	فتاویٰ عالمگیری جیسی مدونات	سرکاری تدوین

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ برصغیر میں فقہ اسلامی کو تین سطحوں پر سہارا ملا: حکمرانوں کی سرپرستی نے اسے نظام عدل و تعلیم میں جگہ دی، مدارس نے اس کی تدریس و تدوین کا تسلسل قائم رکھا، اور معاشرے کی علماء سے رہنمائی کی روایت نے اسے زندہ عمل کی حیثیت دی۔ یہی تکون برصغیر کی فقہی تاریخ کی بنیاد ہے اور اسی پس منظر میں یہاں کے فقہاء کی بعد کی خدمات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

سوال نمبر 3: قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور مفتی امجد علی اعظمیؒ کی فقہی خدمات (20 نمبر)

سوال نمبر 3۔ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی اور مفتی امجد علی اعظمی کی فقہی خدمات بیان کریں۔ (20 نمبر)

تعارف

برصغیر کی فقہی تاریخ میں بیسویں صدی دو نمایاں رجحانات کی صدی ہے: ایک طرف عوامی سطح پر فقہ کو آسان زبان میں پہنچانے کی کاوشیں اور دوسری طرف جدید مسائل میں اجتماعی اجتہاد کے نئے اداروں کا قیام۔ مفتی امجد علی اعظمی پہلی روایت کے بڑے نمائندے ہیں، اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی دوسری روایت کے معمار۔ مفتی امجد علی اعظمی نے اردو زبان میں فقہ حنفی کا وہ ذخیرہ پیش کیا جو آج تک اردو دان طبقے کے لیے سب سے بڑا مرجع ہے، جبکہ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے فقہی مسائل کے اجتماعی غور کے لیے علمی ادارے قائم کیے اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی تحریک میں قیادت کی۔ دونوں شخصیات کا تعلق فقہ حنفی سے تھا، دونوں نے تصنیف و ادارہ سازی دونوں میدانوں میں کام کیا اور دونوں کی خدمات کا دائرہ اپنے اپنے دائرے سے نکل کر پورے برصغیر تک پھیلا۔ اس جواب میں پہلے مفتی امجد علی اعظمی، پھر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی سوانح و خدمات بیان کی جائیں گی اور آخر میں دونوں کا تقابلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ بحث خالص علمی و سوانحی ہے اور کسی مسئلے میں رائے قائم کرنا مقصود نہیں۔

مفتی امجد علی اعظمی: سوانح اور بہار شریعت

مفتی محمد امجد علی اعظمی (1882ء تا 1948ء) کا تعلق اعظم گڑھ کے علمی ماحول سے تھا اور وہ برصغیر کے ممتاز حنفی فقیہ، مفتی اور مصنف تھے۔ ان کی شاہکار تصنیف بہار شریعت ہے، جو اردو زبان میں فقہ حنفی کی سب سے جامع اور مقبول کتاب شمار ہوتی ہے۔ بہار شریعت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں عبادات سے لے کر معاملات، مناکحات، حدود و قضا اور روزمرہ کے مسائل تک فقہ کے تمام بڑے ابواب عام فہم اردو میں، حوالوں کے ساتھ، بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب سترہ حصوں پر مشتمل ضخیم مجموعے کی صورت میں شائع ہوئی اور بڑے پیمانے پر گھروں، مدارس اور دار الافتاؤں میں مرجع بنی۔ اس کی زبان کی سادگی نے فقہ کو عالم کی الماری سے نکال کر عام قاری تک پہنچایا، یہی اس کی

دائمی مقبولیت کی وجہ ہے۔ اعظمی صاحب کی اس خدمت کا دوسرا پہلو افتا کا عملی کام تھا: وہ اپنے دور میں ہزاروں استفتاء کے جوابات دیتے تھے اور ان کے فتاویٰ کی بنیاد کلاسیکی حنفی کتب پر ہوتی تھی۔ ان کی تصانیف و خدمات کا مقصد عوام کی دینی رہنمائی اور فقہ کی درست ترسیل تھا اور یہ مقصد انہوں نے اپنی زندگی بھر نبھایا۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی: سوانح اور دینی قیادت

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی (1936ء تا 2002ء) بہار سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر عالم، قاضی اور فقیہ تھے۔ وہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے اور انہوں نے اپنی زندگی فقہ کی تحقیق، قضا کی تربیت اور اجتماعی دینی قیادت کے لیے وقف کی۔ وہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر رہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کے دینی و عائلی مسائل کے تحفظ کی قانونی و سماجی جدوجہد کی قیادت کی۔ امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ سے ان کا گہرا تعلق رہا اور وہاں قاضیوں کی تربیت کے نظام کو انہوں نے نئی صورت دی۔ ان کی شخصیت کی پہچان وسیع مطالعہ، مقاصد شریعت کی گہری سمجھ اور جدید مسائل کی طرف متوجہ ذہن تھا۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور خطابات میں اس نکتے پر زور دیا کہ جدید دور کے مسائل کا حل انفرادی فتووں سے زیادہ اجتماعی علمی غور سے نکلے گا، کیونکہ بہت سے مسائل طب، معیشت اور ٹیکنالوجی سے جڑے ہیں جن میں ماہرین کی رائے بھی شامل ہونی چاہیے۔ یہی سوچ آگے چل کر ان کے سب سے بڑے کارنامے، فقہی اکیڈمی کے قیام، کی بنیاد بنی۔

اجتماعی اجتہاد کا ادارہ: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کی سب سے بڑی فقہی خدمت اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام ہے، جو انہوں نے بیسویں صدی کے آخری عشرے میں قائم کی۔ اس اکیڈمی کا طریقہ کار یہ ہے کہ جدید مسئلہ منتخب کیا جاتا ہے، ملک بھر کے فقہاء و محققین سے مقالات طلب کیے جاتے ہیں، پھر فقہی سیمینار میں بحث و تمحیص کے بعد اجتماعی سفارشات و فیصلے مرتب ہوتے ہیں جن میں مختلف مکاتب فکر کے علماء شریک ہوتے ہیں۔ اس ادارے نے طبی مسائل، مالیاتی و بینکاری مسائل، جدید مواصلات اور دیگر عصری موضوعات پر درجنوں اجتماعات منعقد کیے اور ان کے فیصلے کتابی صورت میں شائع ہوئے، جو آج تحقیق کا مستند ماخذ ہیں۔ اجتماعی اجتہاد کے اس ماڈل کو قاضی صاحب کی دور اندیشی قرار دیا جاتا ہے،

کیونکہ اس نے انفرادیت کی جگہ مشاورت، جلد بازی کی جگہ تحقیق اور اختلاف کی جگہ منظم علمی مکالمے کو فروغ دیا۔ ان کے مقالات و تصانیف کا مجموعہ بھی اسی تحقیقی مزاج کی عکاسی کرتا ہے۔ اس ادارے کی طرز پر بعد میں دیگر ممالک میں بھی فقہی مجالس نے کام کیا، جس سے ان کی خدمت کا دائرہ برصغیر سے آگے پھیل گیا۔

دونوں فقہاء کی خدمات کا عصری تسلسل

دونوں حضرات کی خدمات ان کی زندگیوں کے بعد بھی جاری رہیں۔ بہار شریعت آج بھی نئے نئے ایڈیشنوں میں شائع ہوتی ہے، مدارس کے نصاب اور دارالافتاؤں کے حوالوں میں اس کا تذکرہ عام ہے اور اردو جاننے والے قارئین کے لیے فقہ کی پہلی کتاب کے طور پر اسی کا نام لیا جاتا ہے۔ سادہ زبان میں مستند فقہ پیش کرنے کا جو اسلوب اعظمی صاحب نے قائم کیا، بعد کے اردو فقہی لٹریچر نے بڑی حد تک اسی کی پیروی کی۔ دوسری طرف اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا قاضی صاحب کے بعد بھی کام کر رہی ہے اور اس کے سیمیناروں اور شائع شدہ فیصلوں کا سلسلہ محققین کے لیے جاری ماخذ ہے۔ اجتماعی اجتہاد کا طریقہ کار اب کئی ممالک کی فقہی مجالس میں اختیار کیا جا چکا ہے، جس میں مسئلے کی واقعاتی تحقیق، ماہرین سے مشاورت اور اجتماعی تدوین شامل ہے۔ یوں دونوں شخصیات نے اپنے اپنے میدان میں ایسا کام کیا جو فرد سے بڑھ کر روایت بن گیا۔ یہی وہ پیمانہ ہے جس سے تاریخ فقہ میں کسی فقیہ کی خدمت کا وزن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کام اس کے بعد بھی علم و عمل کو سمت دیتا رہے۔

جدول 1: دو فقہاء کی خدمات کا تقابلی خاکہ

پہلو	مفتی امجد علی اعظمی	قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
دور	1882ء تا 1948ء	1936ء تا 2002ء
بڑا کارنامہ	بہار شریعت (اردو فقہ حنفی)	اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام
خدمت کی نوعیت	فقہ کی تدوین و عوامی ترسیل، افتا	اجتماعی اجتہاد، قضا کی تربیت، قیادت
دائرہ اثر	اردو دان عوام، مدارس، دارالافتاء	علماء، محققین، قومی دینی قیادت

اجتماعی تحقیق کا اداراتی ماڈل	آج بھی مستعمل فقہی مرجع	میراث

اختتام

حاصل بحث یہ ہے کہ مفتی امجد علی اعظمی نے فقہ کو کتاب کی صورت میں عوام تک پہنچایا اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نے فقہ کو ادارے کی صورت میں مستقبل کے مسائل کے لیے تیار کیا۔ ایک کی خدمت ماضی کی فقہی میراث کی حفاظت و اشاعت تھی، دوسرے کی خدمت اسی میراث کو نئے مسائل پر منطبق کرنے کے منہج کی تعمیر تھی۔ تاریخ فقہ کے طالب علم کے لیے دونوں شخصیات کا مطالعہ اس لیے ضروری ہے کہ اس سے بیسویں صدی کے برصغیر میں فقہ کی دو بڑی تحریکوں کی سمجھ حاصل ہوتی ہے۔

سوال نمبر 4: برصغیر میں مسلم ریاستیں، فقہی کتب کے تراجم اور عصری مسائل میں اجتہاد (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ برصغیر میں مسلم ریاستوں کے قیام، فقہی کتب کے تراجم اور عصری مسائل میں فقہاء کے اجتہاد پر نوٹ لکھیں۔ (20 نمبر)

تعارف

برصغیر کی فقہی تاریخ محض دہلی و آگرہ کے مرکزی درباروں تک محدود نہیں۔ انگریزوں کی آمد کے بعد جب مرکزی مسلم حکومت کا خاتمہ ہوا تو کئی علاقائی مسلم ریاستیں ایسی باقی رہیں جہاں شریعت و فقہ سے متعلق ادارے کسی نہ کسی صورت چلتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دو بڑی علمی تحریکیں بھی اس دور سے جڑی ہیں: عربی و فارسی فقہی کتابوں کے اردو و دیگر زبانوں میں تراجم کی تحریک، جس نے فقہ کو مقامی آبادی کے لیے قابل فہم بنایا، اور عصری مسائل میں فقہاء کے اجتہاد کی روایت، جس کے ذریعے چھاپے خانے، ریل، ڈاک، بینک اور جدید طب جیسے نئے مسائل کا شرعی تجزیہ پیش کیا گیا۔ اس نوٹ میں ان تینوں موضوعات کو الگ الگ بیان کیا جائے گا۔ یہ دور اس لیے بھی اہم ہے کہ اس میں فقہ کو سیاسی سرپرستی کے بغیر محض علمی و سماجی قوت کے بل بوتے پر زندہ رہنا تھا، اور برصغیر کے فقہاء نے یہ امتحان بڑی حد تک کامیابی سے دیا۔

برصغیر کی مسلم ریاستیں اور ان میں فقہی نظام

برصغیر کی مسلم ریاستوں میں حیدرآباد دکن سب سے بڑی ریاست تھی، جہاں بیسویں صدی کے وسط تک اردو کو سرکاری و تعلیمی زبان کی حیثیت حاصل رہی، جامعہ عثمانیہ جیسا علمی ادارہ قائم ہوا اور شریعت سے متعلق عدالتی امور میں انضمام کا نظام کسی نہ کسی صورت برقرار رہا۔ بھوپال کی ریاست علم پروری کے لیے مشہور رہی، جہاں حکمران خواتین نے بھی علم و طباعت کی سرپرستی کی اور فقہ و حدیث کی کتابیں شائع ہوئیں۔ رام پور، ٹونک اور دیگر چھوٹی ریاستوں میں بھی کتب خانے اور علماء کی قدر دانی کی روایت رہی۔ ان ریاستوں کی فقہی اہمیت یہ ہے کہ ان میں مسلم پرسنل معاملات، اوقاف اور مذہبی اداروں کو قانونی تحفظ ملتا رہا اور وہاں کے علماء نے تصنیف و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ ریاستوں کے ہندوستان میں انضمام کے بعد یہ نظام ختم ہو گیا، مگر ان کا قائم کردہ علمی سرمایہ، کتب خانے اور شائع شدہ کتابیں آج بھی تحقیق کا ماخذ ہیں۔ ان ریاستوں کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فقہ کا عدالتی و تعلیمی نظام برصغیر کے مختلف خطوں میں مقامی رنگ کے ساتھ برقرار رہا۔

فقہی کتب کے تراجم کی تحریک

فقہ کو عام قاری تک پہنچانے میں تراجم نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ انیسویں و بیسویں صدی میں چھاپے خانے کی سہولت کے بعد عربی فقہی کتابوں کے اردو تراجم بڑے پیمانے پر شائع ہونے لگے اور خود اردو میں فقہ کی اصل کتابیں بھی لکھی گئیں۔ اس تحریک کی ضرورت یہ تھی کہ برصغیر کی مسلمان آبادی کی اکثریت عربی سے ناواقف تھی، اور اگر فقہ صرف عربی تک محدود رہتی تو عوام کا فقہ سے تعلق کمزور پڑ جاتا۔ تراجم میں دو انداز اپنائے گئے: بعض میں متن کا لفظی و مکمل ترجمہ کیا گیا اور بعض میں فقہ کے مسائل کو نئی ترتیب سے اردو میں بیان کیا گیا، جیسا کہ بہار شریعت جیسی کتابیں اسی دوسری صورت کی مثال ہیں۔ اردو کے علاوہ بنگالی، پنجابی، سندھی اور دیگر علاقائی زبانوں میں بھی فقہی لٹریچر تیار ہوا۔ ترجمے کی اس تحریک نے دارالافتاء کے نظام کو بھی مضبوط کیا، کیونکہ مفتی حضرات اردو میں فتاویٰ جاری کرنے لگے اور عوام براہ راست اپنی زبان میں رہنمائی پانے لگے۔ علمی اعتبار سے تراجم نے ایک یہ خدمت بھی کی کہ مقامی مثالیں اور مقامی عرف فقہی بحث میں شامل ہونے لگے، جس سے فقہ کا علاقائی اطلاق آسان ہوا۔

عصری مسائل میں فقہاء کے اجتہاد

جدید دور کے مسائل نے برصغیر کے فقہاء کے سامنے اجتہاد کا نیا میدان کھولا۔ ان مسائل میں انگریزی تعلیم و ملازمت سے متعلق سوالات، جدید معیشت و سود سے جڑے معاملات، انشورنس و بینکاری، طب کے نئے طریقے، فوٹو و تصاویر اور ذرائع ابلاغ جیسے موضوعات شامل تھے۔ فقہاء کا اسلوب یہ رہا کہ وہ مسئلہ کو پہلے واقعاتی طور پر سمجھتے، پھر اس پر کتاب و سنت کے عمومی اصول و قیاس کا اطلاق کرتے اور نتیجہ فتویٰ کی صورت میں پیش کرتے۔ اس اجتہاد کی دو صورتیں رہیں: انفرادی اجتہاد، جس میں مفتی اپنے علم سے فتویٰ دیتا تھا، اور بیسویں صدی کے آخر سے اجتماعی اجتہاد، جس میں فقہی اکیڈمیاں اور سیمینار سمیت مسئلے پر غور کرتے تھے۔ اس میدان میں اختلاف بھی خوب ہوا اور ہونا فطری تھا، مگر جس چیز نے فقہ کو زندہ رکھا وہ یہی سوال و جواب کا تسلسل تھا۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ اجتہادی بحثیں علمی دائرے کی ہیں اور کسی مسئلے میں حتمی قانونی یا شرعی فیصلے کا اختیار دائرہ کار رکھنے والی عدالتوں اور مستند اہل علم کا ہے؛ اس نوٹ کا مقصد اس روایت کا تاریخی بیان ہے نہ کہ کسی مسئلے کا حل پیش کرنا۔

چھاپہ خانے اور فتاویٰ کے مجموعے

اس دور کی چوتھی بڑی خصوصیت چھاپہ خانے کے ذریعے فقہ کی اشاعت کا انقلاب ہے۔ انیسویں صدی میں دہلی، لکھنؤ، کانپور اور لاہور کے مطابع سے فقہ و فتاویٰ کی کتابیں بڑی تعداد میں چھپنے لگیں، جس سے وہ علم جو پہلے مخطوطات کی صورت میں چند کتب خانوں تک محدود تھا، اب ہر شہر کے عالم اور مدرسے تک پہنچنے لگا۔ فتاویٰ کے بڑے مجموعے اسی عہد میں مرتب و شائع ہوئے اور ان میں روزمرہ زندگی کے سینکڑوں نئے سوالات کے جوابات محفوظ ہو گئے۔ مطبوعہ فتوے کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ مفتی کو اب یہ معلوم تھا کہ اس کا فتویٰ چھپ کر دور دور تک جائے گا، اس لیے تحریر میں احتیاط، حوالے کی درستی اور دلیل کی وضاحت پہلے سے بڑھ گئی۔ یہ اشاعتی انقلاب تراجم کی تحریک سے مل کر فقہ کو برصغیر کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی دینی روایت بنا گیا اور اسی ذخیرے سے بیسویں صدی کے مدارس و جامعات نے اپنا نصابی سرمایہ حاصل کیا۔ اس پس منظر کے بغیر اس دور کے اجتہادی کام کی وسعت کو سمجھنا مشکل ہے، کیونکہ اجتہاد اب محض مجلس کی بات نہ رہی تھی بلکہ چھپی ہوئی کتاب کی صورت پورے خطے کے علماء کے درمیان مکالمے میں بدل چکی تھی۔

جدول 1: اس دور کی فقہی روایت کے تین ستون

موضوع	اہم صورتیں	نتیجہ
مسلم ریاستیں	حیدرآباد، بھوپال، رام پور وغیرہ میں قضا و تعلیم	فقہی اداروں کا تسلسل
تراجم	عربی کتب کے اردو و علاقائی تراجم، اردو فتاویٰ	فقہ کی عوامی رسائی
انفرادی فتاویٰ	بعد میں اجتماعی اجتہاد	جدید مسائل کا علمی تجزیہ

اختتام

حاصل نوٹ یہ ہے کہ برصغیر میں مسلم ریاستوں نے فقہ کے ادارے قائم رکھے، تراجم نے فقہ کو عوام کی زبان دی اور فقہاء کے اجتہاد نے فقہ کو نئے زمانے کے سوالات سے ہم کلام رکھا۔ ان تینوں کے مجموعے نے وہ فضا بنائی جس میں فقہ بیسویں صدی کے بڑے سیاسی تغیرات کے باوجود ایک زندہ علمی روایت کے طور پر باقی رہی۔ طالب علم کے لیے اس کا سبق یہ ہے کہ فقہ کی زندگی کا دار و مدار سرپرستی سے زیادہ اس کی علمی و عوامی جڑوں کی گہرائی پر ہوتا ہے۔

سوال نمبر 5: شریعت بنچ، حدود آرڈیننس، بلاسود قرضے اور وفاقی شرعی عدالت (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ شریعت بنچوں کے قیام، حدود آرڈیننس، تعمیر مکان کے لئے بلاسود قرضے اور وفاقی شرعی عدالت کے قیام پر مضمون تحریر کریں۔ (20 نمبر)

تعارف اور امتیازی نوٹ

یہ سوال پاکستان کی آئینی و قانونی تاریخ کے اس باب سے متعلق ہے جس میں 1970ء اور 1980ء کی دہائیوں میں اسلامائزیشن کے نام سے کئی ادارے اور قوانین وجود میں آئے: ہائی کورٹوں میں شریعت بنچ بنے، حدود آرڈیننس نافذ ہوئے، ہاؤس بلڈنگ فنانس کے شعبے میں بلاسود قرضے کا تجربہ ہوا اور وفاقی شرعی عدالت قائم ہوئی۔ اس مضمون کا

انداز خالص تاریخی و آئینی تجزیہ ہو گا: کونسا ادارہ کب قائم ہوا، اس کا دائرہ اختیار کیا تھا اور اس کا بعد کا سفر کیا رہا۔ یہاں واضح کرنا ضروری ہے کہ حدود اور دیگر شرعی سزاؤں یا کسی بھی شرعی حکم کا کسی فرد یا واقعے پر اطلاق عدالتوں اور مستند اہل علم کا دائرہ ہے؛ یہ مضمون کسی مسئلے میں رائے یا فتویٰ نہیں دیتا، صرف اداروں کی تاریخ بیان کرتا ہے، اور طالب علم کو بھی چاہیے کہ وہ اس سوال کو اسی علمی حدود میں رکھے۔

شریعت بنچوں کا قیام

پاکستان میں قوانین کے شرعی جائزے کا مطالبہ قیام پاکستان سے ہی موجود تھا اور قرارداد مقاصد نے اس سمت کی بنیاد رکھی تھی۔ 1970ء کی دہائی کے آخر میں اسلامائزیشن کے عمل کے تحت پہلا اداراتی قدم ہائی کورٹوں میں شریعت بنچوں کا قیام تھا۔ ان بنچوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ کسی قانون یا قانونی حکم کی شریعت سے مطابقت کا جائزہ لیں اور شہری بھی اس سلسلے میں درخواست دے سکے۔ یہ تجربہ مختصر عرصے کے لیے تھا، مگر اس نے ایک مستقل ادارے کی ضرورت کو واضح کر دیا، کیونکہ ہائی کورٹ کے بنچوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل اور دائرہ اختیار کے معاملات میں کئی عملی سوالات پیدا ہو رہے تھے۔ بالآخر 1980ء میں آئین میں ایک نئے باب کے اضافے سے وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی اور شریعت بنچوں کا نظام اس نئے ادارے میں ضم ہو گیا۔ تاریخ قانون کے لحاظ سے شریعت بنچ وہ درمیانی مرحلہ ہیں جنہوں نے پاکستان میں شرعی عدالتی جائزے کو تجرباتی سطح سے نکال کر مستقل آئینی ادارے کی طرف منتقل کیا۔

حدود آرڈیننس 1979ء: تاریخی تعارف

1979ء میں صدر کے آرڈیننس کے ذریعے حدود سے متعلق قوانین نافذ کیے گئے، جنہیں مجموعی طور پر حدود آرڈیننس کہا جاتا ہے۔ ان میں زنا، قذف، شراب نوشی اور چوری سے متعلق جرائم کے قوانین شامل تھے اور یہ تعزیرات پاکستان کی بعض دفعات کی جگہ یا ان کے ساتھ نافذ کیے گئے۔ ان قوانین کے نفاذ کے وقت کہا گیا کہ مقصد فوجداری قانون کے ان حصوں کو اسلامی احکام سے ہم آہنگ کرنا ہے جن کا تعلق حدود سے ہے۔ بعد کی دہائیوں میں ان قوانین پر وسیع علمی، قانونی اور سماجی بحث ہوئی، ان پر عدالتی فیصلے آئے اور 2006ء میں پارلیمنٹ نے تحفظ نسواں ایکٹ کے ذریعے ان میں نمایاں ترامیم بھی کیں، جن سے بعض جرائم دوبارہ تعزیرات پاکستان کے تحت آ گئے۔ طالب علم کے

لیے اس موضوع کو لکھنے کا درست انداز یہی ہے کہ وہ اسے آئینی و قانونی تاریخ کے طور پر بیان کرے۔ کسی بھی قانون کی عملی تطبیق، مقدمات کے فیصلے اور سزا یا بریت کا تعین عدالتوں کا کام ہے، اور کسی خاص واقعے پر شرعی یا قانونی رائے اس مضمون کا موضوع نہیں ہے۔

تعمیر مکان کے لیے بلاسود قرضے کا تجربہ

اسی دور کا ایک معاشی تجربہ مکانات کی تعمیر کے لیے بلاسود قرضوں کی فراہمی تھا۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن پاکستان کا وہ ادارہ تھا جو مکان کی تعمیر کے لیے قرضے فراہم کرتا تھا۔ سودی نظام کے خاتمے کے اعلان کے بعد 1979ء کے لگ بھگ اس ادارے کے قرضوں کو بلاسود بنیادوں پر منتقل کرنے کا تجربہ کیا گیا، جس میں قرض کی اصل رقم اقساط میں واپس لی جاتی اور انتظامی اخراجات کی مد میں سروس چارجز کی بحث بھی جاری رہی۔ اس تجربے کو شرکتی بنیادوں پر قرضے کی کوششوں سے بھی جوڑا جاتا ہے، جہاں ادارہ مکان کی ملکیت میں شریک بن کر بتدریج اپنی حصہ داری ختم کرتا تھا۔ یہ تجربہ بعد کے ادوار میں اسلامی بینکاری و فنانس کی بحثوں میں تاریخی مثال کے طور پر ذکر ہوتا رہا۔ اس کی اہمیت اس بات میں ہے کہ سود کے متبادل کی تلاش پاکستان میں صرف نظریاتی بحث نہ رہی بلکہ اسے رہائشی قرضے جیسے عوامی شعبے میں عملی صورت دینے کی کوشش بھی کی گئی، جس کی کامیابی و مشکلات دونوں پر معاشی ماہرین نے لکھا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کا قیام اور دائرہ کار

وفاقی شرعی عدالت 1980ء میں آئین پاکستان میں باب 3 الف کے اضافے سے قائم ہوئی۔ اس عدالت کی ساخت میں جج صاحبان کے ساتھ علماء جج بھی شامل رکھے گئے، تاکہ قانونی مہارت اور شرعی علم دونوں فیصلوں میں شامل ہوں۔ اس کا بنیادی دائرہ اختیار یہ ہے کہ وہ از خود یا کسی شہری یا حکومت کی درخواست پر کسی قانون یا قانون کی کسی شق کا جائزہ لے کر یہ فیصلہ دے سکتی ہے کہ وہ قرآن و سنت کے احکام سے متصادم ہے یا نہیں؛ متصادم قرار پانے والی شق مقررہ مدت کے بعد غیر مؤثر ہو جاتی ہے اور حکومت پر لازم آتا ہے کہ وہ قانون سازی میں ردوبدل کرے۔ آئین نے بعض شعبوں کو اس دائرے سے ابتدائی مدت میں باہر رکھا تھا، جس پر بحث آج تک جاری ہے۔ اس عدالت کے فیصلوں کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپیلنٹ بنچ میں اپیل ہوتی ہے، جس میں علماء جج بھی شامل ہوتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے قیام کے بعد کئی اہم موضوعات پر

فیصلے دیے، جن میں سودی نظام سے متعلق مشہور فیصلہ بھی شامل ہے، اور اس کے فیصلوں نے پاکستان کی قانون سازی پر دور رس اثرات ڈالے۔ اداراتی طور پر یہ عدالت اسلامی نظریاتی کونسل سے مختلف ہے: کونسل مشاورتی ادارہ ہے جبکہ شرعی عدالت کے فیصلے عدالتی حیثیت رکھتے ہیں۔

جدول 1: اس دور کے ادارے و اقدامات — زمانی خاکہ

مختصر نوعیت	اقدام / ادارہ	سال / دور
فوجداری قوانین کا نیا مجموعہ	حدود آرڈیننس کا نفاذ	1979ء
رہائشی فنانس کا عملی تجربہ	ہاؤس بلڈنگ فنانس میں سود قرضے	1979ء کے لگ بھگ
قوانین کے شرعی جائزے کا تجربہ	ہائی کورٹوں میں شریعت بنچ	1979ء تا 1980ء
آئینی عدالت، باب 3 الف کے تحت	وفاقی شرعی عدالت کا قیام	1980ء
بعض جرائم کی تعزیرات میں واپسی	حدود قوانین میں پارلیمانی ترامیم	2006ء

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت بنچوں سے شروع ہونے والا اداراتی سفر 1980ء میں وفاقی شرعی عدالت کے قیام پر منتج ہوا، حدود آرڈیننس اسی دور کی بڑی قانون سازی تھی جس میں بعد میں پارلیمانی ترامیم بھی ہوئیں، اور بلاسود رہائشی قرضوں نے سودی متبادل کی عملی تلاش کی مثال قائم کی۔ یہ تمام اقدامات پاکستان کی اس کوشش کا حصہ ہیں کہ ریاستی قانون کو آئینی تقاضوں کے مطابق اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ رکھا جائے۔ ان کی درست تفہیم کے لیے انہیں سیاست سے الگ رکھ کر آئینی تاریخ کے طور پر پڑھنا چاہیے، اور ایک بار پھر یہی یاد دہانی مناسب ہے کہ ان قوانین کا کسی فرد پر اطلاق اور کسی مسئلے میں حتمی رائے عدالتوں اور مستند اہل علم کا کام ہے۔